بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة هود

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۵﴾ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا
اللّٰہَ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ

(اِسی طرح) نوح کو ہم نے اُس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ (اُس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا): میں تمھارے لیے ایک کھلا ہوا خبردار کرنے والا ہوں[۱۴۹] کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔[۱۵۰] (ایسا کرو گے تو) میں تم پر ایک دردناک دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ اِس پر اُس کی قوم

۱۴۹؎ اصل میں 'نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی پوری قطعیت کے ساتھ اور صاف صاف خبردار کرنے والا۔ اِس میں ایک لطیف تلمیح بھی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...عرب میں دستور رہا ہے کہ ہر قوم کے لوگ کسی بلند ٹیلے یا پہاڑی پر دیدبان بناتے، جہاں ہر وقت ایک نگران مقرر رہتا جس کا کام یہ ہوتا کہ جب وہ دیکھتا کہ کسی طرف سے حملہ آوروں کی کوئی جماعت اُس کی قوم پر حملہ کیا چاہتی ہے تو وہ اپنے کپڑے پھاڑ کر ننگا ہو جاتا اور 'واصباحا' کا نعرہ لگاتا۔ یہ پوری قوم کے لیے الارم ہوتا اور سب تلواریں سونت کر مدافعت کے لیے باہر نکل آتے۔ اِس کو 'نذیر عریاں' کہتے تھے۔ خدا کے رسول بھی اپنی قوم کو آنے والے عذاب سے آگاہ کرنے کے لیے آئے اور اُنھوں نے بالکل اِس طرح لوگوں کو اُس سے آگاہ کیا گویا

قَوۡمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثۡلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيۡنَ هُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاۡىِ وَمَا نَرٰى لَـكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍۢ بَلۡ نَظُنُّكُمۡ كٰذِبِيۡنَ ﴿۲۷﴾

قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَاٰتٰٮنِىۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِهٖ فَعُمِّيَتۡ عَلَيۡكُمۡ ؕ اَنُلۡزِمُكُمُوۡهَا وَاَنۡتُمۡ لَهَا كٰرِهُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مَالًا

کے سرداروں نے جو منکر تھے، جواب دیا: ہم تو تمھیں اپنے جیسا ایک آدمی ہی دیکھتے ہیں اور ہمارے اندر جو اراذل ہیں، اُنھی کو دیکھتے ہیں کہ بے سمجھے بوجھے تمھارے پیچھے لگ گئے ہیں۔ ہم نہیں دیکھتے کہ ہمارے اوپر تمھیں کوئی بڑائی حاصل ہے، بلکہ ہم تو تمھیں بالکل جھوٹا سمجھ رہے ہیں[۱۵۱]۔ ۲۵-۲۷

نوح نے جواب دیا: میری قوم کے لوگو، ذرا سوچو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل[۱۵۲] پر ہوں، پھر اُس نے مجھے خاص اپنی رحمت سے بھی نواز دیا[۱۵۳] اور وہ تمھیں نظر نہیں آئی تو کیا ہم (زبردستی) اُس کو تم پر چپکا دیں، جبکہ تم اُس سے بے زار ہو[۱۵۴]؟ میری قوم کے لوگو، میں اِس خدمت پر تم

وہ عقب سے نمودار ہی ہونے والا ہے۔ اِس وجہ سے قرآن میں اُن کے لیے 'نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۱۳۶)

۱۵۰؎ اِس سورہ کی آیت ۲ کو دیکھیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی دعوت کی ابتدا اِسی بات سے کی تھی۔

۱۵۱؎ یہ تین معارضات ہیں جو نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے اُن کی دعوت کے جواب میں پیش کیے۔ آگے اِنھی کا جواب ہے۔

۱۵۲؎ اصل میں لفظ 'بَيِّنَة' آیا ہے۔ اِس سے مراد وہی نور فطرت ہے جس کا ذکر اِس سے پہلے آیت ۱۷ میں ہو چکا ہے۔

۱۵۳؎ یعنی اپنی وحی میری طرف نازل کر دی۔

۱۵۴؎ مطلب یہ ہے کہ تمھارے کرتوتوں کی وجہ سے فطرت کا چراغ بھی تمھارے اندر گل ہو چکا اور اِس کے نتیجے میں وحی کے ذریعے سے آنے والی ہدایت بھی تاریکیوں میں کھو گئی، پھر اپنے فساد طبیعت کے باعث تم اِس طرح کی چیزوں سے بے زار بھی ہو تو میں تمھارے اوپر ایک ایسی چیز کس طرح چپکا سکتا ہوں، جس کے چپکنے کے لیے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اِنَّھُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّھِمۡ وَلٰکِنِّیۡۤ
اَرٰىکُمۡ قَوۡمًا تَجۡھَلُوۡنَ ﴿۲۹﴾ وَیٰقَوۡمِ مَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰہِ اِنۡ طَرَدۡتُّھُمۡ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۳۰﴾
وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ عِنۡدِیۡ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ اِنِّیۡ مَلَکٌ وَّلَاۤ
اَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ تَزۡدَرِیۡۤ اَعۡیُنُکُمۡ لَنۡ یُّؤۡتِیَھُمُ اللّٰہُ خَیۡرًا اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡۤ اَنۡفُسِھِمۡ
اِنِّیۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوۡا یٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا فَاَکۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا بِمَا
تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاۡتِیۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ اِنۡ شَآءَ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ

سے کوئی مال نہیں مانگ رہا ہوں (کہ تمھاری ہر بات ماننے کے لیے مجبور ہو جاؤں)۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے اور (تمھاری خوشنودی کے لیے) میں اُن لوگوں کو ہرگز نکال دینے والا نہیں ہوں جو ایمان لے آئے ہیں۔ وہ (اپنے اِسی ایمان کے ساتھ) اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں۔ (اُن کی قدر و قیمت کا فیصلہ وہی کرے گا)، مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت میں مبتلا ہو۔ میری قوم کے لوگو، اگر میں اُن کو نکال دوں تو خدا سے بچانے کے لیے کون میری مدد کرے گا؟ پھر کیا سوچتے نہیں ہو۔ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، نہ یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں[155] اور نہ اُن لوگوں کے بارے میں جنھیں تمھاری آنکھیں حقیر دیکھتی ہیں، (تمھاری طرح) یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ اللہ اُنھیں کوئی بھلائی دے ہی نہیں سکتا[156]۔ اُن کے دلوں میں جو کچھ ہے، اُسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں اگر ایسا کروں تو میں ہی ظالم ہوں گا۔ (اِس پر) اُن لوگوں نے کہا: اے نوح، تم نے ہم سے بحث کی ہے اور بہت کر لی ہے۔ اب اگر تم سچے ہو تو وہ چیز ہم پر لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی سنا رہے ہو۔ نوح نے جواب دیا: وہ تو اللہ ہی تم پر لائے گا، اگر

تمھارے اندر سرے سے کوئی مادۂ قبولیت ہی باقی نہیں رہ گیا ہے۔

۱۵۵؎ یہ اُس بات کا جواب ہے جو مخاطبین نے کہی تھی کہ تم تو ہمیں اپنے جیسے ایک انسان ہی لگتے ہو، پھر تمھیں پیغمبر کس طرح مانیں؟

بِمُعۡجِزِيۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنۡفَعُكُمۡ نُصۡحِيۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَكُمۡ اِنۡ كَانَ اللّٰهُ
يُرِيۡدُ اَنۡ يُّغۡوِيَكُمۡ هُوَ رَبُّكُمۡ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۴﴾

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَعَلَيَّ اِجۡرَامِيۡ وَاَنَا بَرِيۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ﴿۳۵﴾

وَاُوۡحِيَ اِلٰى نُوۡحٍ اَنَّهٗ لَنۡ يُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِكَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا كَانُوۡا
يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَاصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا وَوَحۡيِنَا وَلَا تُخَاطِبۡنِيۡ فِي الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا
اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصۡنَعُ الۡفُلۡكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيۡهِ مَلَاٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ سَخِرُوۡا مِنۡهُ

چاہے گا اور (اُس وقت) تم اُس کی گرفت سے نکل نہیں سکو گے۔ میں اگر تمھاری کچھ خیر خواہی کرنا بھی چاہوں تو میری خیر خواہی تمھیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی، اگر (تمھارے اِس رویے کے نتیجے میں) اللہ نے تم کو بھٹکا دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ وہی تمھارا پروردگار ہے اور تمھیں اُسی کی طرف پلٹنا ہے۔ ۲۸-۳۴

کیا یہ کہتے ہیں کہ (ہم پر چسپاں کرنے کے لیے) اِس شخص نے یہ قصہ خود گھڑ لیا ہے؟ اِن سے کہو (اے پیغمبر)، اگر میں نے یہ خود گھڑا ہے تو میرے جرم کا وبال میرے ہی اوپر ہے، لیکن (جانتے بوجھتے حقائق کو جھٹلا دینے کا) جو جرم تم کر رہے ہو، (اُس کی ذمہ داری تمھی پر ہے)، میں اُس سے بری ہوں[157]۔ ۳۵

(پھر) نوح کو وحی کی گئی کہ تمھاری قوم کے لوگوں میں سے جو ایمان لا چکے، اب اُن کے سوا کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ سو اِن کے کرتوتوں پر غم کھانا چھوڑ دو اور ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایت کے مطابق کشتی بناؤ۔ اِن ظالموں کے حق میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا، یہ اب غرق ہو کر رہیں گے۔ نوح (اِس ہدایت کے مطابق) کشتی بنانے لگا اور اُس کی قوم کے سردار جب اُس کے پاس سے گزرتے تو

۱۵۶؎ وہ یہ بات اِس بنیاد پر کہتے تھے کہ جب خدا نے دنیا کی رفاہیت کے لیے اِن کا نہیں، بلکہ ہمارا انتخاب کیا ہے تو آخرت کی نعمتوں کے لیے یہ کس طرح منتخب کیے جا سکتے ہیں۔

۱۵۷؎ سورہ کی تلاوت کے دوران میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف التفات ہے جس میں سلسلۂ کلام کو روک کر

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ
مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا
وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ

اُس کی ہنسی اڑاتے۔[158] وہ اُنھیں جواب دیتا کہ اگر ہمارے اوپر ہنستے ہو تو جس طرح تم ہنستے ہو، اُسی طرح (ایک دن) ہم بھی تم پر ہنسیں گے۔[159] پھر عنقریب جان لو گے کہ وہ کون ہیں جن پر وہ عذاب آتا ہے جو اُنھیں رسوا کر کے رکھ دیتا ہے اور وہ قہر نازل ہوتا ہے جو اُن پر (نازل ہو کر) ٹھیر جاتا ہے۔[160] (وہ یہی کرتے رہے)، یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور طوفان ابل پڑا[161] تو ہم نے کہا: ہر قسم کے جانوروں میں سے نر و مادہ، ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لو[162] اور اپنے گھر والوں کو بھی (اِس کشتی میں سوار کرا لو)،

مخاطبین کے ردعمل پر برسر موقع تبصرہ کیا گیا ہے۔

۱۵۸؎ اِس لیے کہ عذاب کی دھمکی کو وہ سرے سے لاف زنی سمجھتے تھے۔ چنانچہ کشتی بننے لگی تو اُنھوں نے یہی خیال کیا ہوگا کہ یہ نوح اور اُس کے ساتھیوں کے خلل دماغ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۱۵۹؎ یہ الفاظ مجانست کے اسلوب پر آئے ہیں اور اُس سرور و ابتہاج اور ازدیاد ایمان و اطمینان کی سرشاری کو بیان کرتے ہیں جو خدا کی نصرت کے ظہور پر اہل ایمان کو حاصل ہوگی۔ اِن کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم بھی اُسی ابتذال پر اتر آئیں گے، جس پر تم اترے ہوئے ہو۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...کسی کی مصیبت پر خوش ہونا عام حالات میں تو اچھی بات نہیں ہے، لیکن جن لوگوں پر اُس طرح حجت تمام ہو چکی ہو، جس طرح حضرت نوح اور اُن کے ساتھیوں نے اپنی قوم پر تمام کی، اُن پر عذاب الٰہی کا نزول حق کی فتح مندی اور باطل کی ہزیمت کا ایک یادگار واقعہ ہوتا ہے جس پر اہل ایمان کا خوش ہونا عین مقتضائے ایمان ہوتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۱۴۱)

۱۶۰؎ رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد جو عذاب آتا ہے، اُس کی نوعیت یہی ہوتی ہے۔ وہ آتا ہے تو اُسی وقت جاتا ہے، جب پوری قوم ایک داستان عبرت بن کر تاریخ کے عجائب خانوں کی نذر ہو جاتی ہے۔

۱۶۱؎ اصل میں 'فَارَ التَّنُّوْرُ' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ استعارے کے طور پر اُس طوفان کی تعبیر ہے جس میں تند

الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا
وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾
وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادٰي نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ

سوائے اُن کے جن کے بارے میں حکم صادر ہو چکا ہے[۱۶۳]، اور اُن کو بھی جو ایمان لائے ہیں —— اور تھوڑے ہی لوگ تھے جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے[۱۶۴]۔ نوح نے کہا: اِس میں سوار ہو جاؤ، اِس کا چلنا اور ٹھیرنا اللہ ہی کے نام سے ہے[۱۶۵]۔ میرا پروردگار بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے[۱۶۶]۔ ۳۶-۴۱

وہ کشتی پہاڑوں کی طرح اٹھتی ہوئی موجوں کے درمیان اُن کو لے کر چلنے لگی اور نوح نے اپنے بیٹے[۱۶۷]

سائیکلونی ہواؤں کے ساتھ بارش ہوئی اور پاس کے سمندر اور دریا بھی ابل پڑے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۶۲؎ آیت میں 'مِنْ كُلٍّ' کے الفاظ معہود ذہنی کے لحاظ سے استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی اُن جانوروں کا ایک ایک جوڑا جو اُس وقت لوگوں کے تصرف میں تھے اور طوفان کے بعد کی زندگی کے لیے ضروری تھے۔

۱۶۳؎ یعنی جن کے بارے میں پہلے دن سے طے ہو چکا ہے کہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے دنیا میں بھی عذاب سے دوچار ہوں گے اور آگے بھی جہنم کا ایندھن بن جائیں گے۔

۱۶۴؎ یہ حسرت و افسوس کا جملہ ہے کہ لوگوں کی بڑی اکثریت نوح علیہ السلام کی طرف سے کئی سو سال تک دعوت و انذار کے باوجود حق سے گریزاں رہی اور بالآخر طوفان کی نذر ہو گئی۔ اِس میں بالواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے لیے تسلی کا پیغام بھی ہے کہ قریش کی مغرور اکثریت بھی انھی کے انجام کو پہنچتی ہے تو اِس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔ اِس سے پہلے بہت سی قومیں اِسی انجام کو پہنچ چکی ہیں۔

۱۶۵؎ یہ تفویض کا کلمہ ہے جس سے بندۂ مومن اسباب سے ماورا اپنے آپ کو مسبب الاسباب کے سپرد کر دیتا ہے۔

۱۶۶؎ اللہ تعالیٰ کی صفات کا یہ حوالہ انتہائی عجز کو ظاہر کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اِس قابل تو نہیں تھے کہ ہم پر یہ عنایت کی جاتی، لیکن وہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور نہایت مہربان ہے کہ نزول عذاب کی اِس گھڑی میں اُس نے ہمیں ہر تکلیف سے بچا لیا ہے۔

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ
مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ
فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ
الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

کو آواز دی، جو (کچھ فاصلے پر اُس سے) الگ تھا۔ بیٹا، ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور اِن منکروں کے ساتھ نہ رہو۔[۱۶۸] اُس نے پلٹ کر جواب دیا: میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے اِس پانی سے بچا لے گا۔[۱۶۹] نوح نے کہا: آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں ہے، مگر جس پر وہ رحم فرمائے۔ (اتنے میں) ایک موج دونوں کے درمیان حائل ہوئی اور وہ بھی ڈوبنے والوں میں شامل ہو گیا۔[۱۷۰] حکم ہوا: اے زمین، اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان، تھم جا۔[۱۷۱] چنانچہ پانی اتار دیا گیا، فیصلہ چکا دیا گیا، کشتی جودی[۱۷۲] پر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۶۷؎ تورات میں نوح علیہ السلام کے اِس بیٹے کا نام کنعان آیا ہے۔

۱۶۸؎ اِس جملے میں جذبۂ دعوت اور شفقت پدری، دونوں کی روح جس طرح سموئی ہوئی ہے، اُسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

۱۶۹؎ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی انسان کو کہاں تک لے جا سکتی ہے۔

۱۷۰؎ یہ بھی ممکن تھا کہ یہ منظر نوح علیہ السلام کو نہ دکھایا جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہی چاہا کہ وہ یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...یہ حضرت نوح کی وفاداری کا آخری امتحان تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات انبیا کیسے کیسے امتحانوں سے گزارے جاتے ہیں، لیکن اللہ کی توفیق سے وہ ہر امتحان میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ نیز اِس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ خدا کا قانون جب اتنا بے لاگ ہے کہ نوح کا بیٹا بھی نافرمان ہو تو وہ اُس کی گردن بھی عین باپ کے سامنے دبا دیتا ہے تو تا بہ دیگراں چہ رسد۔“ (تدبر قرآن ۴/ ۱۴۴)

۱۷۱؎ یعنی اُدھر وہ ڈوبا اور اِدھر یہ حکم صادر ہو گیا۔ استاذ امام کے الفاظ میں یہ اِس ہول ناک ٹریجڈی کا آخری منظر تھا۔ اِس کے سامنے آ جانے کے بعد فوراً آسمان و زمین، سب کو احکام صادر ہو گئے کہ بس اب کام پورا ہو چکا!

وَنَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ وَاَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِیۡنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ

ٹک گئی اور کہہ دیا گیا کہ اِس ظالم قوم پر خدا کی پھٹکار ہے۔ نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ پروردگار، میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے[۱۷۳] اور اِس میں شبہ نہیں کہ تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے[۱۷۴]۔ فرمایا: اے نوح، وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے[۱۷۵]، وہ

۱۷۲؎ یہ کوہستان اراراط کی ایک چوٹی کا نام ہے۔ آرمینیا کی سطح مرتفع سے شروع ہو کر یہ سلسلۂ کوہستان جنوب میں کردستان تک چلتا ہے۔ بائیبل میں اِسی بنا پر صرف اراراط کا نام آیا ہے۔ قرآن نے خاص اُس چوٹی کا ذکر، جہاں کشتی جا کر رکی تھی، اِس لیے کیا ہے کہ اِس سے طوفان کی ہول ناکی کا کچھ اندازہ کیا جا سکے کہ اُس میں پانی کہاں تک پہنچ گیا تھا۔

۱۷۳؎ اوپر بیان ہوا ہے کہ نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے اہل وعیال کو بھی کشتی میں سوار کرا لو۔ یہ بات اُنھوں نے اِسی بنا پر کہی ہے، اِس لیے کہ اُس وقت تک تعین کے ساتھ اُن کے علم میں نہیں تھا کہ اُن کا یہ بیٹا بھی خدا کے فیصلے کی زد میں آ چکا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۷۴؎ یہ دعا اُس وقت کی ہے، جب نوح علیہ السلام نے بیٹے کو ڈوبتے دیکھا، لیکن اِس کا ذکر یہاں ہوا ہے۔ اِس کی وجہ کیا ہے؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...خدا کی نگاہوں میں یہ شخص حضرت نوح کا بیٹا ہونے کے باوجود ایسا نابکار تھا کہ جب تک خدا نے اُس کو غرق نہیں کر لیا، اُس کے باب میں حضرت نوح کی دعا کو زیر بحث لانا بھی پسند نہیں فرمایا۔ اِس غضب کی وجہ ظاہر ہے کہ اِس دنیا میں اگر کسی انسان کو سب سے بڑی سعادت اور خوش بختی حاصل ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو کسی پیغمبر کے گھر میں جنم دے، لیکن یہی خوش بختی سب سے بڑی بدبختی بھی ہو سکتی ہے، اگر وہ اِس کی قدر نہ کرے اور ولی کے گھر میں شیطان بن کر اٹھے۔ چنانچہ کلام کی ترتیب ہی سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ اِس شخص کو خدا نے سب سے زیادہ مبغوض قرار دیا۔ گویا سارے طوفان کا اصلی ہدف تھا ہی یہی کہ جب یہ ڈوب گیا تو معاً طوفان کے خاتمے کا اعلان ہو گیا۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۱۴۵)

۱۷۵؎ اِس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ 'اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ' (وہ نہایت نابکار ہے)۔ اِس سے واضح ہو گیا

مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ
اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ
الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۴۷﴾ قِیۡلَ یٰنُوۡحُ اہۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَکٰتٍ عَلَیۡکَ وَ عَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنۡ
مَّعَکَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُہُمۡ ثُمَّ یَمَسُّہُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۴۸﴾

تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ ۚ مَا کُنۡتَ تَعۡلَمُہَاۤ اَنۡتَ وَ لَا قَوۡمُکَ
مِنۡ قَبۡلِ ہٰذَا ۚ فَاصۡبِرۡ ؕۛ اِنَّ الۡعَاقِبَۃَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۹﴾

نہایت نابکار ہے۔ سو مجھ سے اُس چیز کے بارے میں سوال نہ کرو جس کا تجھے کچھ علم نہیں ہے۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ بنو۔ نوح نے فوراً عرض کیا: پروردگار، میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے کوئی ایسی چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ اور (جانتا ہوں کہ) اگر تو مجھے معاف نہ کرے گا اور مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں نامراد ہو جاؤں گا۔ ارشاد ہوا: اے نوح، اتر جاؤ، ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور برکتوں کے ساتھ، تم پر بھی اور اُن امتوں پر بھی جو اُن سے ظہور میں آئیں گی جو تمھارے ساتھ ہیں[۷۶]۔ اور (ان کے بعد) کچھ ایسی امتیں بھی ہیں جنھیں ہم آگے بہرہ مند کریں گے، پھر (اُن کے جرائم کی پاداش میں) اُن کو بھی ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب پکڑ لے گا[۷۷]۔ ۴۲-۴۸

یہ غیب کی خبریں ہیں جو (اے پیغمبر)، ہم تمھاری طرف وحی کر رہے ہیں۔ اِس سے پہلے نہ تم اِن کو جانتے تھے، نہ تمھاری قوم کے لوگ اِن سے واقف تھے۔ اِس لیے ثابت قدم رہو، انجام کار کی کامیابی

کہ پیغمبر کا گھرانا محض نسب سے نہیں بنتا، بلکہ ایمان اور عمل صالح سے بنتا ہے۔

۷۶؎ اِس برکت اور سلامتی کا ظہور اِس طرح ہوا کہ بعد میں اِنھی چند نفوس کی اولاد تمام روے زمین پر چھا گئی۔

۷۷؎ یعنی جو دینونت اِس وقت برپا ہوئی ہے، وہ بعد میں بھی وقتاً فوقتاً برپا ہوتی رہے گی اور جن لوگوں کو نجات ہوئی ہے، اُن کی اولاد میں سے جو ظالم ہوں گے، پیغمبروں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد وہ بھی اسی طرح

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ
اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ

اُنھی کے لیے ہے جو خدا سے ڈرنے والے ہیں[۱۷۸]۔۴۹

(اِسی طرح) عاد کی طرف ہم نے اُن کے بھائی ہود کو بھیجا[۱۷۹]۔ اُس نے اُنھیں دعوت دی کہ میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ (حقیقت یہ ہے کہ اُس کے مقابل میں) تم محض جھوٹ گھڑ رہے ہو۔ میری قوم کے لوگو، (میں یہ بات تمھاری خیر خواہی کے لیے کہتا ہوں)، میں اِس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اُسی کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ پھر کیا سمجھتے نہیں ہو؟ میری قوم کے لوگو، اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اُس کی طرف پلٹو[۱۸۰]، وہ تم پر

کیفر کردار کو پہنچتے رہیں گے۔

۱۷۸؎ یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ رسولوں سے متعلق سنت الٰہی یہی ہے کہ وہ اور اُن کے ساتھی کامیاب ہوتے اور اُن کے مخالفین لازماً نامراد ہو جاتے ہیں۔

۱۷۹؎ عاد عرب کی قدیم ترین قوم ہے۔ یہ سامی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اِن کا مسکن احقاف کا علاقہ تھا جو حجاز، یمن اور یمامہ کے درمیان الربع الخالی کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ عرب کے لٹریچر میں یہ اپنی قدامت کے لیے بھی ضرب المثل ہیں اور اپنی قوت و شوکت کے لیے بھی۔ حضرت ہود اِنھی کے ایک فرد تھے جنھیں رسول کی حیثیت سے اِن کی طرف مبعوث کیا گیا۔ قرآن نے امتنان و احسان کے لیے فرمایا ہے کہ عاد کی طرف ہم نے کسی اجنبی شخص کو نہیں، بلکہ اُنھی کے بھائی ہود کو بھیجا تاکہ اُن پر ہماری حجت ہر لحاظ سے پوری ہو جائے۔

۱۸۰؎ توبہ کے دو ارکان ہیں: ایک یہ کہ آدمی غلطی سے دست بردار ہو جائے اور دوسرا یہ کہ صحیح بات کی طرف پلٹ آئے۔ پہلے رکن کے لیے قرآن میں استغفار اور دوسرے کے لیے توبہ کا لفظ آتا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...اِن میں سے پہلے کی بنیاد خشیت پر ہے اور دوسرے کی محبت پر۔ پھر شعور اور احساس اِن کا لازمی جزو ہے۔ جب تک یہ تمام عناصر جمع نہ ہوں، مجرد 'توبہ توبہ' یا 'استغفر اللہ' کے ورد سے وہ توبہ وجود میں نہیں آتی جو خدا کے ہاں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا
بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ
نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ
مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّيْ
تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ

چھاجوں مینہ برسائے گا اور تمھاری قوت پر مزید قوت کا اضافہ کرے گا۔[181] تم مجرم ہو کر روگردانی نہ کرو۔ اُنھوں نے جواب دیا: اے ہود، تم ہمارے پاس کوئی کھلی نشانی[182] لے کر تو آئے نہیں ہو اور (اِدھر ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ) محض تمھارے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ تم کو ماننے والے ہیں۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ تمھارے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔ ہود نے کہا: میں خدا کو گواہ ٹھیراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جنھیں تم خدا کے سوا معبود بناتے ہو، میں اُن سے بالکل بری ہوں۔[183] سو تم سب مل کر، (جس طرح چاہو) میرے خلاف چالیں چلو، پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ میں نے اللہ پر بھروسا کر لیا ہے، اپنے اور تمھارے پروردگار پر۔ ہر جان دار کی چوٹی اُسی کے ہاتھ

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

قبولیت کا درجہ پائے۔'' (تدبر قرآن ۴/۱۴۸)

۱۸۱؎ یہ رسولوں کی دعوت پر اجتماعی توبہ کی برکتیں ہیں جو قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی بیان ہوئی ہیں، یعنی رزق و فضل اور سیاسی قوت میں اضافہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ آسمان کے دروازے کھول دیتے اور توبہ کرنے والوں کے لیے زمین پر اقتدار اور تمکن کے راستے ہموار کر دیتے ہیں۔

۱۸۲؎ یعنی کوئی ایسا حسی معجزہ جو فیصلہ کن ہو جائے۔

۱۸۳؎ اُن لوگوں کی بات چونکہ انتہائی بے ہودہ تھی، اِس لیے ہود علیہ السلام کی غیرت توحید بھڑک اٹھی ہے اور اُنھوں نے پورے جوش و جذبے کے ساتھ شرک سے براءت کا اعلان کر دیا ہے۔ پھر آگے دیکھیے تو اِسی بنا پر اُنھیں چیلنج بھی کر دیا ہے کہ تم اور تمھارے معبود میرے خلاف جو کر سکتے ہو، کر کے دیکھ لو۔ تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ خدا پر سچا ایمان کیا ہوتا ہے اور میں کس کے بھروسے پر توحید کی یہ دعوت لے کر اٹھا ہوں۔

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِہٖٓ اِلَیْکُمْ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَہٗ شَیْئًا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا ہُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ بِرَحْمَۃٍ مِّنَّا وَنَجَّیْنٰہُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾

وَتِلْکَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمْ وَعَصَوْا رُسُلَہٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا لَعْنَۃً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَلَآ اِنَّ عَادًا کَفَرُوْا رَبَّہُمْ اَلَا بُعْدًا

میں ہے۔میرا پروردگار یقیناً سیدھی راہ پر ہے[۱۸۴]۔ اِس پر بھی اعراض کر رہے ہو تو میں نے وہ پیغام تمھیں پہنچا دیا ہے جو مجھے دے کر تمھاری طرف بھیجا گیا ہے۔اب میرا رب تمھاری جگہ کسی دوسری قوم کو اقتدار کا مالک بنائے گا اور تم اُس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے[۱۸۵]۔ یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔(پھر ہوا یہ کہ) جب ہمارا فیصلہ صادر ہو گیا تو ہم نے ہود کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی رحمت سے نجات دی اور (اِس طرح) ایک نہایت سخت عذاب سے اُنھیں بچا لیا[۱۸۶]۔ ۵۰-۵۸

یہ تھے عاد، اِنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کیا، اُس کے رسولوں کی بات نہیں مانی[۱۸۷] اور ہر جبار اور سرکش کے معاملے کی پیروی کرتے رہے۔(آخر کار) اِس دنیا میں بھی اِن کے پیچھے لعنت لگا

۱۸۴؎ یعنی اُس کی معرفت کے لیے کج پیچ کے راستوں سے گزرنے اور اُس کی بارگاہ تک رسائی کے لیے واسطے اور وسیلے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عقل وفطرت اُسے براہ راست پہچانتی ہے اور آدمی دل کی سچائی کے ساتھ اُس کی طرف متوجہ ہو جائے تو وہ بالکل سیدھی راہ پر اُس کے سامنے موجود ہوتا ہے۔

۱۸۵؎ مطلب یہ ہے کہ اب عذاب استیصال آئے گا، تمھاری جڑ کاٹ دی جائے گی اور کوئی دوسری قوم تمھاری جگہ لینے کے لیے اٹھے گی۔ اپنی تمام قوت وشوکت کے باوجود تم خدا کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔

۱۸۶؎ یہ عذاب کس طرح نازل ہوا؟ قرآن میں اِس کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ سرما کے بادل رعد وبرق کے ساتھ نمودار ہوئے اور بادصرصر آندھی اور طوفان بن کر پوری بستی پر ٹوٹ پڑی، یہاں تک کہ ہر چیز فنا ہو گئی۔

۱۸۷؎ اُن کی طرف اگرچہ ایک ہی رسول کی بعثت ہوئی تھی، مگر کوئی رسول بھی یہ دعوت اُن کے سامنے پیش کرتا،

لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ یٰقَوْمِ

دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ سن لو، عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، سن لو کہ عاد دھتکار دیے گئے، ہود کی قوم کے لوگ! ۵۹-۶۰

(اِسی طرح) ثمود[۱۸۸] کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو رسول بنا کر بھیجا۔ اُس نے اُنھیں دعوت دی کہ میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اُس میں آباد کیا ہے۔ اِس لیے اُس سے معافی چاہو، پھر اُس کی طرف رجوع کرو۔ میرا پروردگار قریب بھی ہے اور (اپنے بندوں کی دعائیں) قبول کرنے والا بھی۔ اُنھوں نے جواب دیا: اے صالح، اِس سے پہلے تو ہمارے اندر تم سے بڑی امیدیں کی جاتی تھیں۔ (لیکن تم اچھے نکلے)! کیا اب ہمیں اُن معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتے ہو[۱۸۹] جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں؟ ہم تو اُس چیز کے باعث جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو[۱۹۰]، بڑے سخت شبہے میں ہیں جس نے خلجان میں

اُس کے ساتھ وہ یہی کرتے، اِس لیے ایک رسول کی نافرمانی کو تمام رسولوں کی نافرمانی قرار دیا ہے۔

۱۸۸؎ یہ عاد کے بقایا میں سے ہیں۔ اِسی بنا پر اِنھیں عاد ثانی کہا جاتا ہے۔ عرب کی قدیم اقوام میں سے یہ دوسری قوم ہے جس نے عاد کے بعد غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ اِن کا مسکن شمال مغربی عرب کا وہ علاقہ ہے جسے الحجر کہا جاتا ہے۔ اِن کے اور عاد کے اوصاف قرآن میں بھی اور عرب کی روایات میں بھی تقریباً ایک ہی جیسے بیان ہوئے ہیں۔

۱۸۹؎ اصل الفاظ ہیں: 'اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ'۔ اِن میں 'عَنْ' محذوف ہو گیا ہے، یعنی 'أَتَنْهٰنَا عَنْ أَنْ نَّعْبُدَ'۔

اَرَءَ یْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ مِنْہُ رَحْمَۃً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰہِ اِنْ عَصَیْتُہٗ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ﴿۶۳﴾

وَیٰقَوْمِ ھٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمْ اٰیَۃً فَذَرُوْھَا تَاْکُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰہِ وَلَا تَمَسُّوْھَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَکُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْھَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِکُمْ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ ذٰلِکَ وَعْدٌ غَیْرُ مَکْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

ڈال دیا ہے۔ اُس نے کہا: میری قوم کے لوگو، ذرا غور کرو، اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور اُس نے مجھے اپنی طرف سے (خاص اپنی) رحمت سے بھی نواز دیا ہے[191] تو مجھے خدا کی پکڑ سے کون بچائے گا، اگر میں اُس کی نافرمانی کروں۔ سو (جو کچھ تم چاہتے ہو[192]، اُس سے تو) تم میری بربادی ہی میں اضافہ کرو گے۔ ۶۱-۶۳

میری قوم کے لوگو، یہ اللہ کی اونٹنی ہے، تمھارے لیے نشانی کے طور پر، لہٰذا اِس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور کسی برے ارادے سے اِس کو ہاتھ نہ لگانا، ورنہ کچھ زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ تم پر عذاب آ جائے گا[193]۔ پھر ہوا یہ کہ اُنھوں نے اُس کی کونچیں کاٹ دیں[194]۔ اِس پر صالح نے خبردار کر دیا

۱۹۰؎ یعنی تمام معبودوں کو چھوڑ کر ایک خدا کی پرستش جس سے ہر پیغمبر نے اپنی دعوت کی ابتدا کی ہے۔

۱۹۱؎ یہی الفاظ پیچھے نوح علیہ السلام کی سرگذشت میں بھی آئے ہیں۔ وہاں ہم نے اِن کی وضاحت کر دی ہے۔

۱۹۲؎ اشارہ ہے اُن توقعات کی طرف جو اُن کی قوم کے لوگ اُن سے رکھتے تھے کہ اُن سے باپ دادا کا نام روشن ہوگا اور اُن کے آبائی دین اور قومی روایات کی عزت بڑھے گی۔

۱۹۳؎ مطلب یہ ہے کہ خدا کے حکم پر میں نے اپنی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی نامزد کر دی ہے۔ یہ خدا کی نذر ہے، چنانچہ اس لحاظ سے اللہ کی اونٹنی ہے۔ تمھارے لیے یہ خدا کے عذاب کی نشانی ہے۔ اِس کو گزند پہنچاؤ گے تو سمجھ لو کہ امان کی دیوار گر گئی۔ اِس کے بعد قہر الٰہی کے سیلاب کو کوئی چیز تمھاری بستیوں میں داخل ہونے سے روک نہیں سکے گی۔

۱۹۴؎ اونٹنی کو مارنے کا جرم اگرچہ اُن کے ایک سرکش سردار نے کیا تھا، مگر قرآن نے اُسے پوری قوم کی طرف

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِیْنَ
ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا اَلَآ
اِنَّ ثَمُوْدَاْ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ

کہ اب تین دن اپنی اِس بستی میں اور رہ بس لو۔ یہ دھمکی جھوٹی ہونے والی نہیں ہے۔[۱۹۵] چنانچہ جب ہمارا حکم صادر ہو گیا[۱۹۶] تو ہم نے خاص اپنی رحمت سے صالح کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے، (اُس عذاب سے) نجات دی اور اُس دن کی رسوائی سے بچا لیا۔[۱۹۷] اِس میں شبہ نہیں کہ تیرا پروردگار ہی قوی اور زبردست ہے۔[۱۹۸] اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، اُن کو بڑے زور کی کڑک نے آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اِس طرح اوندھے پڑے رہ گئے کہ گویا وہاں کبھی بسے ہی نہیں تھے۔ سن لو، ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ سن لو کہ ثمود دھتکار دیے گئے! ۶۴-۶۸

(اور لوط کے معاملے میں یہ ہوا کہ پہلے) ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر پہنچے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

منسوب کیا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ باقی متمردین بھی اُس پر راضی تھے۔

۱۹۵؎ یہ اونٹنی قوم کی سرکشی کو جانچنے کا ایک پیمانہ تھی۔ اِس کو مارنے سے واضح ہو گیا کہ یہ لوگ اب مزید مہلت کے مستحق نہیں رہے۔ چنانچہ صالح علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے ایما سے اُنھیں یہ نوٹس دے دیا۔

۱۹۶؎ یعنی عذاب کا حکم صادر ہو گیا۔ اِس کے لیے اصل میں لفظ 'اَمر' آیا ہے۔ اِس میں بلاغت یہ ہے کہ جیسے ہی حکم صادر ہوا، اُس کے ساتھ ہی عذاب آ گیا۔ گویا عذاب اُسی ایک لفظ کے اندر چھپا ہوا تھا۔

۱۹۷؎ اِس جملے میں ایک جگہ فعل اور ایک جگہ اُس کا متعلق عربیت کے اسلوب پر محذوف ہے۔ ہم نے ترجمے میں اُنھیں کھول دیا ہے۔

۱۹۸؎ اِس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے لیے تسلی ہے کہ مطمئن رہو، اُس کی یہی قوت و عزت قریش کے معاملے میں بھی ظاہر ہو گی اور بالآخر وہی غالب رہے گا۔

جَآءَ بِعِجۡلٍ حَنِیۡذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَھُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡہِ نَکِرَھُمۡ وَاَوۡجَسَ مِنۡھُمۡ
خِیۡفَةً قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوۡطٍ ﴿۷۰﴾ وَامۡرَاَتُہٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِکَتۡ
فَبَشَّرۡنٰھَا بِاِسۡحٰقَ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتۡ یٰوَیۡلَتٰۤی ءَ اَلِدُ وَاَنَا
عَجُوۡزٌ وَّھٰذَا بَعۡلِیۡ شَیۡخًا اِنَّ ھٰذَا لَشَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوۡۤا اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ

کہا: سلامتی ہو۔ ابراہیم نے جواب دیا: تم پر بھی سلامتی ہو۔ پھر کچھ دیر نہ گزری کہ ابراہیم ایک بھنا ہوا بچھڑا (اُن کی ضیافت کے لیے) لے آیا۔[199] لیکن جب دیکھا کہ اُن کے ہاتھ اُس کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو اُن سے اُپرایا اور دل میں اُن سے کچھ ڈرنے لگا۔[200] اُنھوں نے کہا: ڈرو نہیں، ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ابراہیم کی بیوی پاس ہی کھڑی تھی، سو (خوشی سے) ہنس پڑی۔[201] پھر ہم نے اُس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔[202] وہ بولی: ہاے شامت! کیا میں بچہ جنوں گی، جبکہ میں خود بھی بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔[203] فرشتوں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۹۹؎ اِس سے سیدنا ابراہیم کی فیاضی اور مہمان نوازی کا اندازہ ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے مہمانوں کے لیے فوراً گلے کا ایک بچھڑا ذبح کرا دیا۔ اُن کے سامنے، ظاہر ہے کہ اُس کا کچھ گوشت پیش کیا گیا ہوگا، مگر قرآن نے ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کے اِس پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے گوشت کے بجاے بچھڑے کا ذکر کیا ہے۔

۲۰۰؎ ڈرنے کی وجہ غالباً یہ اندیشہ تھا کہ کھانا نہیں کھا رہے تو ہو سکتا ہے کہ فرشتے ہوں اور اگر فرشتے ہیں اور انسانی صورت میں آئے ہیں تو کہیں میری یا میرے گھر والوں کی کسی غلطی پر تنبیہ کے لیے تو نہیں آئے۔

۲۰۱؎ انسان اگر خوف کی حالت میں ہو اور خوف کا سبب اچانک دور ہو جائے تو اِس طرح کی ہنسی بعض اوقات بے اختیار آ جاتی ہے۔

۲۰۲؎ فرشتوں نے یہ خوش خبری خدا کی طرف سے دی تھی، اِس لیے فرمایا ہے کہ ہم نے خوش خبری دی۔ استاذ امام کے الفاظ میں اِس خوش خبری کے اندر عنایت خاص اور تکمیل مسرت کے جو گوناگوں پہلو ملحوظ ہیں، وہ محتاج بیان نہیں اور بیٹے کے ساتھ پوتے کی بشارت نے گویا یہ اطمینان بھی دلا دیا کہ بیٹا زندہ رہے گا، اچھی عمر پائے گا اور اُس کے صلب سے نام ور پوتا بھی پیدا ہوگا۔

اَمرِ اللّٰهِ رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَکٰتُهٗ عَلَیۡکُمۡ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ اِنَّهٗ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ﴿۷۳﴾

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنۡ اِبۡرٰهِیۡمَ الرَّوۡعُ وَجَآءَتۡهُ الۡبُشۡرٰی یُجَادِلُنَا فِیۡ قَوۡمِ لُوۡطٍ ﴿۷۴﴾

اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَحَلِیۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیۡبٌ ﴿۷۵﴾ یٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا اِنَّهٗ قَدۡ جَآءَ

اَمۡرُ رَبِّكَ وَاِنَّهُمۡ اٰتِیۡهِمۡ عَذَابٌ غَیۡرُ مَرۡدُوۡدٍ ﴿۷۶﴾

نے کہا: خدا کی بات پر تعجب کرتی ہو؟ ابراہیم کے گھر والو، تم پر تو اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں[۲۰۴]۔ یقیناً اللہ ستودہ صفات ہے، وہ بڑی شان والا ہے۔ ۶۹-۷۳

پھر جب ابراہیم کا خوف دور ہوا اور اُسے بشارت مل گئی تو وہ قوم لوط کے بارے میں ہم سے بحث کرنے لگا[۲۰۵]۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑا بردبار، بڑا دردمند اور اپنے پروردگار کی طرف بڑا دھیان رکھنے والا تھا۔ ابراہیم، یہ بحث چھوڑو، تمھارے پروردگار کا حکم ہو چکا ہے اور اب اِن لوگوں پر وہ عذاب آنے والا ہے جو لوٹایا نہیں جاتا[۲۰۶]۔ ۷۴-۷۶

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

۲۰۳؎ یہ اظہار تعجب جن الفاظ میں ہوا، اُن کے پیچھے یہ خواہش صاف نظر آ رہی ہے کہ بشارت کے ظہور میں جو ظاہری رکاوٹیں ہیں، اُن کے بارے میں بھی اطمینان ہو جائے کہ اُن کے باوجود یہ بشارت پوری ہو جائے گی۔

۲۰۴؎ اصل الفاظ ہیں: 'رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَکٰتُهٗ عَلَیۡکُمۡ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ'۔ اِن میں 'عَلَیۡکُمۡ' کی ضمیر جمع مذکر ہے۔ عربی زبان میں گھر کی عورتوں کے لیے یہی شایستہ انداز خطاب ہے۔ اِس میں پردہ داری اور ادب و احترام کے جو تقاضے ملحوظ ہیں، اُن کا اندازہ ہر صاحب ذوق آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے۔

۲۰۵؎ یہ بحث کیا تھی اور اپنے اندر ابراہیم علیہ السلام کی دردمندی، محبت، دل سوزی، غم خواری اور اپنے پروردگار سے ناز و اعتماد کے کیا کیا پہلو سمیٹے ہوئے تھی، اُنھیں دیکھنے کے لیے بائیبل میں اِس کی روداد پڑھنی چاہیے۔ پیدائش میں ہے:

> ''... پر ابرہام خداوند کے حضور کھڑا ہی رہا۔ تب ابرہام نے نزدیک جا کر کہا: کیا تو نیک کو بد کے ساتھ ہلاک کرے گا؟ شاید اُس شہر میں پچاس راست باز ہوں۔ کیا تو اُسے ہلاک کرے گا اور اُن پچاس راست بازوں کی خاطر جو اُس میں ہوں، اُس مقام کو نہ چھوڑے گا؟ ایسا کرنا تجھ سے بعید ہے کہ نیک کو بد کے ساتھ مار ڈالے اور نیک

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ

(اِس کے بعد) جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے[۲۰۷] تو اُن کے آنے سے وہ بہت رنجیدہ اور دل تنگ ہوا اور کہنے لگا کہ یہ تو بڑی مصیبت کا دن ہے[۲۰۸]۔ اُس کی قوم کے لوگ (یہ دیکھ کر کہ خوب رولڑ کے آئے ہیں)، بے اختیار دوڑتے ہوئے اُس کے پاس آ پہنچے۔ پہلے سے وہ ایسی ہی بدکاریوں کے خوگر

بد کے برابر ہو جائیں۔ یہ تجھ سے بعید ہے۔ کیا تمام دنیا کا انصاف کرنے والا انصاف نہ کرے گا؟ اور خداوند نے فرمایا کہ اگر مجھے سدوم میں شہر کے اندر پچاس راست باز ملیں تو میں اُن کی خاطر اُس مقام کو چھوڑ دوں گا۔ تب ابراہام نے جواب دیا اور کہا کہ دیکھیے، میں نے خداوند سے بات کرنے کی جرأت کی، اگرچہ میں خاک اور راکھ ہوں۔ شاید پچاس راست بازوں میں پانچ کم ہوں۔ کیا اُن پانچ کی کمی کے سبب سے تو تمام شہر کو نیست کرے گا؟ اُس نے کہا: اگر مجھے وہاں پینتالیس ملیں تو میں اُسے نیست نہیں کروں گا۔ پھر اُس نے اُس سے کہا کہ شاید وہاں چالیس ملیں۔ تب اُس نے کہا کہ میں اُن چالیس کی خاطر بھی یہ نہیں کروں گا۔ پھر اُس نے کہا: خداوند ناراض نہ ہو تو میں کچھ اور عرض کروں۔ شاید وہاں تیس ملیں۔ اُس نے کہا: اگر مجھے وہاں تیس بھی ملیں تو بھی ایسا نہیں کروں گا۔ پھر اُس نے کہا، دیکھیے، میں نے خداوند سے بات کرنے کی جرأت کی۔ شاید وہاں بیس ملیں۔ اُس نے کہا: میں بیس کی خاطر بھی اُسے نیست نہیں کروں گا۔ تب اُس نے کہا: خداوند ناراض نہ ہو تو میں ایک بار اور کچھ عرض کروں۔ شاید وہاں دس ملیں۔ اُس نے کہا: میں دس کی خاطر بھی اُسے نیست نہیں کروں گا۔'' (۱۸: ۲۲-۳۳)

۲۰۶؎ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد جو عذاب آتا ہے، اُس کی نوعیت یہی ہوتی ہے۔ وہ جب ایک مرتبہ آ جاتا ہے تو اُسی وقت جاتا ہے، جب کچھ باقی نہیں رہتا۔

۲۰۷؎ حضرت لوط سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اُن کی قوم اُس علاقے میں رہتی تھی جو شام کے جنوب میں عراق و فلسطین کے درمیان واقع ہے اور آج کل شرق اردن کہلاتا ہے۔ بائیبل میں اُن کے سب سے بڑے شہر کا نام سدوم بتایا گیا ہے۔ لوط علیہ السلام کا تعلق اُس قوم کے ساتھ وہی تھا جو حضرت موسیٰ کا قوم فرعون کے ساتھ تھا۔ قرآن کے دوسرے مقامات میں اُن کی بیوی کا ذکر جس اسلوب میں ہوا ہے، اُس سے اشارہ نکلتا ہے کہ اُن کی شادی اُسی قوم کے اندر ہوئی تھی اور اس لحاظ سے وہ اُنھی کے ایک فرد بن چکے تھے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بَنَاتِیۡ ھُنَّ اَطۡھَرُ لَکُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ فِیۡ ضَیۡفِیۡ اَلَیۡسَ مِنۡکُمۡ رَجُلٌ
رَّشِیۡدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوۡا لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا لَنَا فِیۡ بَنٰتِکَ مِنۡ حَقٍّ وَاِنَّکَ لَتَعۡلَمُ مَا نُرِیۡدُ ﴿۷۹﴾
قَالَ لَوۡ اَنَّ لِیۡ بِکُمۡ قُوَّۃً اَوۡ اٰوِیۡۤ اِلٰی رُکۡنٍ شَدِیۡدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوۡا یٰلُوۡطُ اِنَّا رُسُلُ

تھے۔ اُس نے کہا: میری قوم کے لوگو، یہ میری بیٹیاں ہیں۔ یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ اِس لیے خدا کا خوف کرو اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے؟[۲۰۹] اُنھوں نے جواب دیا: تمھیں معلوم ہی ہے کہ تمھاری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے اور تم اچھی طرح جانتے ہو جو کچھ ہم چاہتے ہیں۔[۲۱۰] لوط نے کہا: اے کاش، میرے پاس تم سے مقابلے کی طاقت

۲۰۸؎ آگے کی آیتوں سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ فرشتے نہایت خوب رو اور نوخیز لڑکوں کی صورت میں آئے تھے۔ حضرت لوط جانتے تھے کہ اُن کی قوم اِس معاملے میں کیسی بدکردار اور کتنی بے حیا ہو چکی ہے۔ یہی سبب تھا کہ اُن کو دیکھ کر وہ سخت پریشان ہو گئے۔

۲۰۹؎ لوط علیہ السلام کی طرف سے یہ اُن اوباشوں کے لیے کیا کوئی پیش کش تھی؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

’’...یہ پیشکش نہیں، بلکہ اپنی قوم کے ضمیر کو جگانے اور جھنجھوڑنے کے لیے گویا حضرت لوط کی آخری بے تابانہ فریاد تھی کہ وہ سوچیں کہ ایک اللہ کا بندہ یہ ہے جو اپنے مہمانوں کی عزت کے معاملے میں اتنا حساس ہے کہ اُس کے لیے اپنی عزیز سے عزیز شے کو قربان کرنے پر تیار ہے اور ایک ہم ہیں کہ اندھے ہو کر اُس کے مہمانوں پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اِسی طرح اُنھوں نے اللہ کا خوف بھی یاد دلایا اور آخر میں ’اَلَیۡسَ مِنۡکُمۡ رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ‘ کہہ کر گویا پوری طرح اُن پر حجت تمام کر دی۔ اِس لیے کہ کسی کے اندر اگر رائی برابر بھی حق کی حمیت و حمایت کا احساس ہوتا تو اِس فقرے کے بعد تو اُس کو ضرور حرکت میں آ جانا تھا، لیکن جب اِس کے بعد بھی کوئی ضمیر بیدار نہیں ہوا تو اِس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کسی کے اندر حس انسانیت و شرافت سرے سے باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔‘‘ (تدبر قرآن ۴/ ۱۵۸)

۲۱۰؎ مطلب یہ ہے کہ بات کو الجھانے کی کوشش نہ کرو۔ ہم یہاں تمھاری بیٹیوں کو بیاہ کر لے جانے کے لیے نہیں آئے اور تم جانتے ہو کہ اُس کے بغیر ہمارا کوئی حق اُن پر قائم نہیں ہوتا۔ اِس لیے جو کچھ ہم کرنا چاہتے ہیں، کرنے دو، اُس کی راہ میں رکاوٹ نہ بنو۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ
اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿٨١﴾
فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ
مَّنْضُوْدٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٣﴾
وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ وَلَا

ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا۔[211] فرشتوں نے کہا: اے لوط، ہم تمھارے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ (مطمئن رہو)، یہ تمھارے قریب بھی نہیں آسکیں گے۔ سو اپنے اہل و عیال کو لے کر کچھ رات رہے نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے۔ تمھاری بیوی نہیں، اِس لیے کہ اُس پر وہی کچھ گزرنے والا ہے جو اِن لوگوں پر گزرنا ہے۔ اِن (پر عذاب) کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے۔ (تم پریشان کیوں ہوتے ہو)؟ کیا صبح قریب نہیں ہے! ۷۷-۸۱

پھر جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اُس بستی کو تلپٹ کر کے رکھ دیا اور اُس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسائے، تہ بر تہ،[212] جو تمھارے پروردگار کے ہاں نشان لگائے ہوئے تھے[213] اور وہ اِن ظالموں سے کچھ زیادہ دور نہیں تھے۔[214] ۸۲-۸۳

اور مدین[215] کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو رسول بنا کر بھیجا۔ اُس نے دعوت دی کہ میری قوم کے

---

۲۱۱ یہ انتہائی اضطراب، مایوسی اور بے بسی کا جملہ ہے جس نے گویا آخری حجت تمام کر دی۔ چنانچہ فرشتوں نے بھی اِس کے بعد حقیقت سے پردہ اٹھا دیا۔

۲۱۲ پیغمبروں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد اُن کی قومیں بالعموم پتھر برسانے والی آندھی سے تباہ کی گئی ہیں۔ قرآن نے دوسری جگہ اِسے 'حَاصِب' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اُسی کا بیان ہے۔

۲۱۳ یعنی پہلے سے مقدر کر دیے گئے تھے کہ یہ پتھر قوم لوط کی بستی پر برسانے کے لیے ہیں۔

۲۱۴ مطلب یہ ہے کہ ہماری بھیجی ہوئی بادتند نے اُنھی کے پاؤں میں سے اٹھا کر اُن کے سروں پر برسا دیے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تَنۡقُصُوا الۡمِکۡیَالَ وَالۡمِیۡزَانَ اِنِّیۡۤ اَرٰکُمۡ بِخَیۡرٍ وَّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ مُّحِیۡطٍ ﴿۸۴﴾ وَ یٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِکۡیَالَ وَ الۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَہُمۡ وَ لَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ﴿۸۵﴾ بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوۡا یٰشُعَیۡبُ اَصَلٰوتُکَ تَاۡمُرُکَ

لوگو، اللہ کی بندگی کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔[۲۱۶] میں تمھیں خوش حال دیکھ رہا ہوں، مگر مجھے تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو گھیر نے والا ہے۔[۲۱۷] میری قوم کے لوگو، ناپ اور تول کو ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا رکھو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم سچے مومن ہو۔ (مجھے سمجھانا ہی ہے) اور میں تم پر نگران مقرر نہیں کیا گیا ہوں۔[۲۱۸] اُنھوں نے جواب دیا: اے شعیب، کیا

اُن کے لانے کے لیے ہمیں کوئی اہتمام نہیں کرنا پڑا۔

۲۱۵؎ یہ بستی ابراہیم علیہ السلام کے صاحب زادے مدیان کے نام پر مدین یا مدیان کہلاتی تھی، جو اُن کی تیسری بیوی قطورا کے بطن سے تھے۔ اِس میں زیادہ تر اُنھی کی نسل آباد تھی۔ اِس کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں، بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا، مگر اِس کا کچھ سلسلہ جزیرہ نماے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی پھیلا ہوا تھا۔ اُس زمانے کی دو بڑی تجارتی شاہ راہیں اِسی علاقے سے گزرتی تھیں، اِس وجہ سے مدین کے لوگوں نے بھی تجارت میں بہت ترقی کر لی تھی۔

۲۱۶؎ اِس سے معلوم ہوا کہ شرک کے بعد جو سب سے بڑی برائی سیدنا شعیب کی قوم میں پیدا ہو چکی تھی، وہ یہی ناپ تول میں کمی تھی جسے اُن ظالموں نے اپنے لیے ہنر بنا لیا تھا۔

۲۱۷؎ یہ اُنھوں نے اِس لیے فرمایا کہ وہ خدا کے رسول تھے اور رسولوں کے باب میں یہی سنت الٰہی ہے جو ہمیشہ جاری رہی۔

۲۱۸؎ یعنی میرا کام تبلیغ و دعوت اور انذار و بشارت ہے۔ اِس سے زیادہ میری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ مجھے تم پر داروغہ نہیں بنایا گیا کہ میں ضرور ہی تمھیں راہ راست پر لے آؤں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ
الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا
حَسَنًا وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا
اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ

تمھاری نماز تمھیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم اُن چیزوں کو چھوڑ دیں جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے رہے یا اپنے مال میں ہم اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں[۲۱۹]؟ (تمھاری نگاہ میں سب اگلے پچھلے بے وقوف اور گمراہ تھے اور ہمارے اندر) بس تمھی ایک دانش منداور راست باز آدمی رہ گئے ہو! اُس نے کہا: میری قوم کے لوگو، ذرا غور تو کرو، اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل[۲۲۰] پر ہوں، پھر اُس نے (وحی کی صورت میں) مجھے ایک رزق حسن[۲۲۱] بھی اپنی طرف سے عطا فرما دیا (تو اِس کے سوا کس چیز کی دعوت دوں)؟[۲۲۲] میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تمھاری مخالفت کرکے وہی کام خود کروں جس سے تمھیں روک رہا ہوں[۲۲۳]۔ میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں، جس حد تک کر سکوں۔ (اِس کی) توفیق مجھے اللہ ہی سے ملے گی۔ میں نے اُسی پر بھروسا کیا ہے اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میری قوم کے لوگو،

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۲۱۹؎ یہ درحقیقت ایک طنزیہ فقرہ ہے اور نماز کا ذکر اِس میں دین داری کی علامت کے طور پر ہوا ہے، اِس لیے کہ اُس کا سب سے نمایاں ظہور نماز ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

’’...مطلب یہ کہ تم نماز وغیرہ پڑھتے تھے تو اُس سے خیال تو یہ ہوتا تھا کہ تم سے باپ دادا کا نام بھی روشن ہوگا اور قوم کے لیے بھی کچھ کامیابی کی راہیں کھلیں گی، مگر خوب نکلی تمھاری یہ نماز کہ وہ ماضی وحاضر، سب کی بساط لپیٹ کر رکھ دینا چاہتی ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ حضرت شعیب کی نیک اور پاکیزہ زندگی سے چونکہ مفسدین کو اندیشہ تھا کہ وہ لوگ متاثر ہوں گے جو بالطبع نیک ہیں، اِس وجہ سے اُنھوں نے اُن کی نیکیوں ہی کو اپنے طنز کا ہدف بنا لیا، گویا سارے فساد کی جڑ وہی ہیں۔‘‘ (تدبرقرآن ۴/ ۱۶۱)

۲۲۰؎ یعنی نور فطرت جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ودیعت فرمایا ہے۔

۲۲۱؎ وحی کو رزق حسن سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی روحانی زندگی کی بقا اِسی پر منحصر ہے۔

شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ وَمَا
قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ
وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا وَلَوْلَا
رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ

میرے خلاف تمھاری ہٹ دھرمی کہیں یہ نوبت نہ پہنچا دے کہ تم پر بھی وہی آفت آپڑے جو نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر آپڑی تھی اور لوط کی قوم تو تم سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ (اِس لیے خیریت چاہتے ہو تو میری بات سنو) اور اپنے پروردگار سے معافی چاہو، پھر اُس کی طرف پلٹ آؤ۔[۲۲۴] حقیقت یہ ہے کہ میرا پروردگار نہایت مہربان اور بڑی محبت کرنے والا ہے۔[۲۲۵] اُنھوں نے جواب دیا: اے شعیب، تمھاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں[۲۲۶] اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ ہمارے درمیان تم

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۲۲۲؎ یہ جوابِ شرط ہے جو اصل میں محذوف ہے۔

۲۲۳؎ یعنی تمھارے خریداروں کو تم سے بدگمان کر کے بستی میں فساد پیدا کر دوں، دراں حالیکہ تم سے کہہ رہا ہوں کہ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔

۲۲۴؎ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ توبہ کے لیے استغفار اور اصلاح، دونوں ضروری ہیں۔ یہ اُنھی کی ہدایت فرمائی ہے۔

۲۲۵؎ یہ ترغیب و تشویق بھی ہے اور قبولیت توبہ کی بشارت بھی۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...مدعا یہ ہے کہ تمھارے جرائم کتنے ہی سنگین ہوں، لیکن جب تم صدق دل سے اُس کی طرف رجوع کرو گے تو وہ تمھیں ٹھکرائے گا نہیں، بلکہ معاف کر کے اپنی رحمتوں سے نوازے گا۔ وہ نہایت مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۱۶۳)

۲۲۶؎ لوگوں کو اُن کے مالوفات کے خلاف کوئی دعوت دی جائے تو وہ بالعموم اِسی طرح کا تبصرہ کرتے ہیں۔ اِس میں ایک نوعیت کی تعریض بھی ہوتی ہے کہ تمھاری باتیں سمجھنے کی کہاں ہیں کہ کوئی معقول آدمی اُن کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ ایسی مہمل اور دور از کار باتیں کب کسی کی سمجھ میں آتی ہیں۔

مِّنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَ كُمْ ظِهْرِيًّا اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ
اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ
هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا
وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا

ایک کمزور آدمی ہو، تمھاری برادری نہ ہوتی تو ہم تمھیں سنگ سار کر دیتے، تم ہم پر کچھ بھاری نہیں ہو۔ شعیب نے کہا: میری قوم کے لوگو، کیا میری برادری تم پر خدا سے زیادہ بھاری ہے؟ (اُس کا تمھیں خوف ہے) اور خدا کو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو، میرا پروردگار اُس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ میری قوم کے لوگو، (جو کچھ کر رہے ہو)، اپنی جگہ کیے جاؤ، میں بھی کر رہا ہوں۔ تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کر دینے والا عذاب آ جاتا ہے اور کون اپنی بات میں جھوٹا ہے۔ تم انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ (اِس پر) جب ہمارا حکم صادر ہو گیا تو ہم نے شعیب کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے، خاص اپنی رحمت سے نجات دی اور جنھوں نے (اپنی جان پر) ظلم ڈھایا تھا، اُن کو کڑک نے آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، گویا اُن میں کبھی بسے ہی نہیں تھے۔ سنو، مدین والے بھی دھتکارے گئے، جس طرح ثمود دھتکار دیے گئے! ۸۴-۹۵

(اِسی طرح) موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیوں کے ساتھ اور ایک کھلی ہوئی سند[۲۲۷] کے ساتھ فرعون اور اُس

۲۲۷؎ یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہے اور اِس سے عصا کا معجزہ مراد ہے۔ اِس لیے کہ یہی وہ سند ماموریت تھی جس نے ساحروں کے مقابلے میں ایک حجت قاہرہ بن کر موسیٰ علیہ السلام کے دعواے نبوت کو بالکل آخری درجے میں ثابت کر دیا تھا۔ آیت میں اِسی لحاظ سے اِس کو 'سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ' سے تعبیر فرمایا ہے۔

اَمْـرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَـقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِـعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

کے سرداروں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا تو اُنھوں نے فرعون کی بات مانی، درآں حالیکہ فرعون کی بات راست نہیں تھی۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور اُنھیں دوزخ میں لے جا اتارے گا۔ کیا ہی برا گھاٹ ہے جس پر وہ اتریں گے۔ اُن کے پیچھے دنیا میں بھی لعنت لگا دی گئی اور آخرت میں بھی۔ کیا ہی برا صلہ ہے جو اُنھیں دیا گیا[۲۲۸]۔ ۹۶-۹۹

۲۲۸؎ موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت سورۂ یونس میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہے اور دوسرے پیغمبروں کا حوالہ بالا جمال آیا ہے۔ اِس سورہ میں معاملہ اِس کے برعکس ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سورتیں ایک دوسرے کی تکمیل کر رہی ہیں۔ قرآن مجید کی سورتوں میں اِسی طرح کی چیزیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ دونوں سورتیں توام ہیں۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com